ایک حدیث

فرقہ بندی

طبرانی نے صغیر میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبانی حضور اکرمؐ کا ایک ارشادِ گرامی یوں روایت کیا ہے :

یا عائشہ! "ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً ھم اصحاب البدع والاھواء لیس لھم توبۃ انا منھم بریٔ وھم منی بُرآء

اے عائشہ! جو لوگ دینی فرقے پیدا کرتے ہیں اور مختلف ٹولیوں میں بٹ جاتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو بدعتی ہیں اور اپنی خواہشوں کے بندے ہیں۔ ان کی توتو بہ بھی کچھ نہیں، میں ان سے اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ (ریاض السنہ صفحہ ۳۳)

یہ حدیث بڑی بنیادی اہمیت کی حامل ہے اور روح قرآنی کے عین مطابق ہے بلکہ ایک قرآنی آیت ہی کی تفسیر ہے یعنی سورۂ انعام کی ایک آیت کی تفسیر میں یہ الفاظ فرمائے گئے ہیں اور احادیث کی کتاب التفسیر میں اس کا ذکر ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے چند اہم نکات کو پہلے سمجھنا ہوگا۔

قرآن پاک میں ہے :۔

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً لست منھم فی شی۔

جن لوگوں نے دینی تفریق کی اور گروہ گروہ ہو گئے ان سے اے رسول تمہارا کچھ واسطہ نہیں۔

دوسری جگہ ارشاد قرآنی ہے :

ولا تکونوا من المشرکین الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعًا۔

اے مسلمانو! تم ان مشرکوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے دینی تفریق پیدا کر لی اور گروہ گروہ ہو گئے۔

پہلی آیت میں دینی فرقے بندیاں پیدا کر کے گروہوں میں بٹ جانے والوں کو رسولؐ سے بے تعلق بتایا گیا ہے اور یہی مضمون ہے جسے زیر بحث حدیث میں یوں ادا فرمایا گیا ہے کہ : انا منھم بریٔ وھم منی براء۔ یعنی میں ان سے اور وہ مجھ سے بری و بے تعلق ہیں۔ ظاہر ہے کہ رسول سے بری ہونے کے بعد ایک دعویدارِ اسلام کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ دوسری آیت میں تو اس سے بھی زیادہ درشت انداز اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی دینی فرقے بندی پیدا کر کے گروہوں میں بٹ جانے والوں کو مشرکوں کی صف میں شمار کیا گیا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے کہ موحد وہ ہوتا ہے جو وحدتِ ربانی کا

قائل ہو اور اس وحدتِ ربانی کا لازمی عملی نتیجہ وحدتِ انسانی ہونا چاہئے۔ لہٰذا انسانوں کے ٹکڑے کرنے والے ایسے ہی ہیں جیسے خدائی کے ٹکڑے کر کے بہت سے چھوٹے بڑے خدا بنانے والے مشرک۔ دیکھئے زیرِ نظر حدیث میں بھی یہی بات فرمائی گئی ہے کہ: ھم اھل البدع والاھواء۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو بدعتی اور بندۂ ہوا ہیں۔ اپنی خواہشوں کے بندے بھی مشرک ہی ہوتے ہیں، جن کے متعلق قرآن پاک یوں فرماتا ہے کہ:

افرأیت من اتخذ الٰھہ ھوٰہ ؟

کیا تم نے اسے بھی دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا الٰہ بنا رکھا ہے؟

مطلب یہ ہے کہ جس طرح احکام خداوندی کی اطاعت کے مقابلے میں دوسروں کی اطاعتِ حکم کرنے والا مشرک ہوتا ہے اسی طرح وہ بھی مشرک ہے جو حکمِ الٰہی کے مقابلے میں اپنی خواہشوں کی پیروی کرے۔ کیونکہ غیر اللہ میں صرف دوسرے ہی نہیں خود انسان کی اپنی ذات بھی ہے۔

اپنی خواہش کی بندگی سے پہلے "بدعت" کا ذکر ہے۔ (ھم اھل البدع والاھواء) بدعت یوں تو ہر اُس نئی چیز کو کہتے ہیں جو پہلے نہ ہو۔ لیکن ہر بدعت اور ہر نئی بات اس وعید میں داخل نہیں۔ بعض لوگ ہر اس چیز اور ہر اس کام کو بدعت بتاتے ہیں جو حضور اکرمؐ کے زمانے میں نہ ہوئی ہو۔ لیکن اس غلط تعریف میں نہ فقط دُنیا کے تمام نئے ایجادات آجائیں گے۔ بلکہ بدعت کی یہ غلط تعریف کرنے والے بھی خود اسی تعریف کے لپیٹ میں آجائیں گے کیونکہ وہ خود بھی حضورؐ کے زمانے میں موجود نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین و فقہاء کو بدعت کی دو قسمیں کرنی پڑی ہیں۔ بدعتِ سیئہ اور بدعتِ حسنہ۔ اور بدعتِ حسنہ کو تو "سنت" بھی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ امام عبدالغنی نابلسی لکھتے ہیں کہ:

ان البدعۃ الحسنۃ الموافقۃ لمقصود الشرع تسمی سنۃ

جو بدعتِ حسنہ مقصودِ شرع کے مطابق ہو اس کا نام بھی سنت ہی ہے

پس معلوم ہوا کہ ہر نیا کام اور ہر نئی چیز بدعت یعنی بدعتِ سیئہ نہیں۔ جس بدعت پر وعید آئی ہے وہ وہی بدعت ہے جو اپنی خواہشوں کی بندگی میں ہو اور دینی تفریق پیدا کرے۔ یہی بات ایک دوسری حدیث میں یوں فرمائی گئی ہے کہ:

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردٌّ۔

جو شخص ہمارے اس امر (دین) میں ایسی نئی بات نکالے جو دراصل اس میں نہیں تو وہ مسترد کر دینے کے قابل ہے

غرض جب تک "دینی احداث" نہ ہو کوئی چیز بدعت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دینی تفریق، دینی فرقے بندیوں اور دینی گروہ بندیوں سے بڑھ کر کوئی دینی احداث نہیں ہو سکتا۔ پس اہل البدع ہوں یا اھل الاھواء دو نوں ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں جو بالکل درست اور عین منشائے قرآنی کے مطابق ہیں۔

دینی تفرق کا مطلب ۔ اب ایک بڑا اہم اور قابلِ غور مسئلہ یہ سامنے آتا ہے کہ "دینی تفرق" کا مطلب کیا ہے؟ کیا دینی وحدت کا مطلب ایک ایسی آمریتِ مطلقہ کا قیام ہے جس میں تمام آزادیٔ رائے کو کچل دیا جائے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ آراء و خیالات کا فطری تنوع ختم کر دیا جائے؟ کیا ان ائمہ مجتہدین کو دینی تفرق کا مرتکب قرار دیا جائے جنہوں نے ساری زندگی دینی مسائل کو حل کرنے میں صرف کرتے ہوئے مختلف مدارسِ خیال قائم کئے؟ کیا صحابہ کرام کی رائیں بہت سے دینی مسائل میں باہم مختلف نہ تھیں؟ کیا وہ تمام اساطین اسلام اور بزرگانِ کرام جنہوں نے اپنے آپ کو حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی کہا یا کسی اور مدرسۂ خیال سے منسوب کرتے رہے دینی تفرق یا شرک کے مرتکب ہوتے رہے؟ ــــ ہم کبھی بھی ان سوالات کا جواب اثبات میں دینے کی جسارت نہیں کر سکتے اور جو شخص ایسی جرأت کرے اسے پہلے اپنے ایمان و اسلام کی خبر لینی چاہئے۔

ہم جہاں تک غور کر سکے ہیں دینی تفرق کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی دینی گروہ سے چپکنے میں ایسی عصبیت جاہلیہ رکھے کہ بلا غور و فکر اس کی ہر بھلی بُری بات کی تائید کئے چلا جائے۔ اور دوسرے گروہ کی ہر بُری بھلی چیز کی اندھا دھند مخالفت و تردید کئے جائے۔ (من بعد ما جاء هم البيّنٰت) اسی عصبیت کو قرآن "حمیۃ الجاھلیۃ" کہتا ہے۔ یہ حمیت جاہلیت وطنی، نسلی، لونی، لسانی اور پیشائی بنیاد پر جب مذموم ہے تو "مذہبی" بنیاد پر کیونکر قابلِ ستائش ہو سکتی ہے؟ یہ سب کی سب "قبیلوی عصبیتوں" کی قسمیں ہیں جس کی جڑیں نفسِ انسانی کی انتہائی گہرائیوں میں گڑی ہوتی ہیں اور قسلیں کی نسلیں ختم ہونے کے بعد بھی نہیں نکلتیں۔ اسلام تمام قسم کی جاہلی عصبیتوں اور حمیتوں سے باہر لا کر انسان کو ایسے مقام پر کھڑا کرنا چاہتا ہے جہاں حمایت و مخالفت کا معیار ترک و اختیار کی کسوٹی اور ردّ و قبول کا مقیاس صرف بیّنہ یکی دیدی ہو نیز ليهلك من هلك عن بينة ويحيٰ من حيّ عن بينة۔ حیات و ہلاکت دونو عقل و برہان اور دلیل و بیّنات کی بنیاد پر ہو۔ پس بیّنات سے صرفِ نظر کر کے محض گروہی عصبیت کی بنیاد پر کسی مدرسۂ خیال کی کلّی تائید کئے جانا فرقہ بندی ہے اور یہ اسلام کی کسی جہت سے بھی قابلِ تعریف نہیں۔ وحدتِ انسانی تو ایک طرف رہی اس سے تو وحدتِ ملّی اور وحدتِ قومی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ کسی فرقے کے متعلق یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک صحیح ہے اور یہ ادعا بھی صحیح نہیں کہ وہ الف سے ی تک غلط ہے۔

وحدتِ انسانی تو اصل نصب العین ہے لیکن اس سے پہلے ایک ضروری قدم "وحدتِ ملی" اور پھر وحدتِ قومی ہے۔ وحدتِ ملّی کے لئے "وحدتِ شریعت" بھی ویسی ہی ضروری ہے۔ یعنی ایک اسلامی مملکت محض دستورِ اسلامی کے خوش آیند الفاظ سے اسلامی مملکت نہیں بن جاتی۔ اگر اسے علیٰ منہاجِ نبوّت کوئی اسلامی مملکت بننا ہے تو اس کے لئے وحدتِ شریعت بھی لازمی ہے۔ یعنی پورے ملک کی شریعت یا قانون ایک ہو۔ ایک ملک میں دس شریعتیں یعنی دس قانون کسی عقلمند کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ قانون بہرحال ایک ہی ہوگا۔ جو ہر فرد پر، ہر اعلیٰ و ادنیٰ پر

اور ہر فرقے پر یکساں لاگو ہوگا۔

آگے چلنے سے پہلے یہاں ایک ضروری بات سنتے جائیے جیسے ہم کئی موقعوں پر پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ فقہ کی جتنی کتابیں ـــ خواہ کسی فرقے کی فقہ کی ہوں ـــ وہ سب ہمارے لئے خام مواد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شریعت کا "پختہ مال" ان ہی سے تیار ہوگا۔ وہ یوں کہ ارباب حل وعقد اپنے عصری تقاضوں کے مطابق ان میں سے جتنے حصے کو باقی رکھنا ضروری سمجھیں گے اسے علی حالہ باقی رکھیں گے جس حصے میں ترمیم لازمی تصور کریں گے اس میں ترمیم کریں گے اور جن نئی دفعات کے اضافے کی ضرورت محسوس کرینگے ان کا اضافہ کریں گے۔ اور پھر پوری بحث وتمحیص کے بعد جب وہ قوانین کو نافذ کردینگے تو وہی اس مملکت کی (اپنے دَور کی) شریعت ہوگی۔ یہی شریعت ہر اعلیٰ وادنےٰ اور ہر فرقے کے ہر فرد پر یکساں لاگو ہوگی۔ اس وقت اس نافذ شدہ شریعت کے خلاف جو فرقہ بھی الگ اپنی شریعت چلانے کی کوشش کرے گا وہ "تفریق دین" کا مرتکب ہوگا۔ ورنہ پھر ہر فرقہ یہی کچھ کرنے کا حق دار ہوگا اور وحدت شریعت اور اس کے ساتھ وحدتِ ملّی پارہ پارہ ہوجائے گی۔

آج کل عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ اسلامی فرقوں کے "پرسنل لا" (شخصی قانون) کی محافظت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام فرقوں کی فقہ یا شریعت کو آزادی ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ کوئی سمجھ میں آنے والی منطق نہیں۔ فیمابین المسلمین "پرسنل لا" کا کوئی شرعی ودینی وجود نہیں۔ یہ محض انگریزوں کی پیدا کردہ ایک لغویت کی یادگار ہے۔ رسولِ اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے دَور میں صرف ایک شریعت تھی، دس قانون نہ تھے جن میں دس فرقوں کو آزادی کی ضمانت دی گئی ہو۔ یہ وحدتِ ملّی کے سراسر منافی ہے۔ صرف غیر مسلموں کو یہ رعایت دی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے مذہبی (یعنی دھرمی) مناسک کو محفوظ رکھیں لیکن ملکی قوانین ان کے بھی وہی ہونگے جو سب کے ہونگے۔ اس لحاظ سے یہ وحدت ایک قومی وملکی وحدت ہوگی۔ مسلمان فرقوں کو صرف اسی قدر رعایت دی جاسکتی ہے جس سے اجتماعی وملّی وحدت کو نقصان نہ پہونچے۔ اس قسم کی لچک بعض قوانین میں موجود ہے اور یہ وحدتِ شریعت کے خلاف نہیں۔ شریعت میں وحدت کے ساتھ کسی حد تک تنوع بھی موجود ہے۔ لیکن صرف وہی تنوع جو وحدتِ ملّی سے ٹکراؤ نہ پیدا کرے۔ خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ اگر کسی فرقے کی کلّی تائید ہوا اور وہ بھی اندھا دھند حمایت وعصبیتِ جاہلیہ کی بنا پر ہو اور شریعت بن جانے کے بعد اپنی فرقی شریعت چلائی جائے تو اسی کا نام "تفریق دین" ہوگا۔ جو رسول سے بے تعلق کرکے مشرکوں کی صف میں لے جاتی ہے۔ اور یہی مضمون زیر نظر حدیث نبویؐ کا ہے۔

غیر مقبول توبہ "تفریق دین" کی مندرجۂ بالا تشریح کے بعد ایک چیز زیر نظر حدیث میں اور بھی قابلِ غور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ: لیس لھم توبۃ۔ ایسے تفریق دین پیدا کرنے والوں کی توبہ بھی کچھ نہیں۔ اس کے کئی معنی ہوسکتے ہیں مثلاً: ایسے تفریق دین پیدا کرنے والوں کو توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ یعنی بہت کم توفیق ہوتی ہے اس لئے کہ اس

معصیت کی بُنیاد وہی حمیت جاہلیہ اور عصبیت گروہی ہوتی ہے جس کی جڑیں بڑی مضبوط اور گہری ہوتی ہیں اور چونکہ یہ بھی ایک شرک ہے اس لئے شرک کی طرح بڑی دیرپا ہوتی ہیں۔

دوسرے معنی یہ ہوسکتے ہیں اور ہمارے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہیں کہ ایسے لوگوں کی کوئی توبہ — جو چھوٹے چھوٹے گناہوں پر کی جائے — قبول نہیں ہوتی جب تک اس عظیم ترین معصیت سے توبہ نہ کرلی جائے۔ یہ مضمون قرآن پاک کے اس مضمون کے عین مطابق ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذٰلک لمن یشاء۔

اللہ اس بات کی تو مغفرت نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ البتہ اس سے کمتر درجے کی معصیت کی جس کے لئے چاہے مغفرت فرمادیتا ہے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ شرک ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کسی چھوٹے بڑے گناہ کی مغفرت نہیں فرماتا۔ ہاں اگر اس بڑی اور مرکزی معصیتِ شرک سے تائب ہوجائے تو دوسرے کمتر درجے کے گناہوں کی مغفرت فرمادیتا ہے اگر وہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ کس کے لئے چاہتا ہے اسے اس نے جابجا خود بتادیا ہے۔ اس کی تفصیل اس وقت میرے موضوع سے خارج ہے۔

کہنا یہ ہے کہ دینی تفریق اور فرقہ بندی چونکہ از روئے قرآن شرک ہے اس لئے توبہ کے تمام احکام اس معصیتِ کبریٰ پر اسی طرح لاگو ہوتے ہیں جس طرح آیتِ مذکورہ کے مطابق شرک پر منطبق ہوتے ہیں۔ لہٰذا لیس لھم توبۃ کا فرمانِ نبوی عین قرآن کی ترجمانی ہے۔ یعنی جب تک اس تفریقِ دین اور دینی فرقہ بندیوں سے توبہ نہ کرلی جائے اس وقت تک دوسرے کمتر درجے کے معاصی سے توبہ کرتے رہنا بے معنی ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک تارک الصلوٰۃ شخص فرض نماز کے پر تو کوئی توبہ نہ کرے اور صرف نفل کے ترک پر "استغفر اللہ" کہتا رہے۔ یا ایک قزاق اپنی قزاقی سے تو تائب نہ ہو اور چرس پینے سے توبہ کرے۔ یا ایک بت پرست بت پرستی پر تو قائم رہے مگر جھٹکا کھانے سے احتیاط برتے۔ اس قسم کی توبہ گڑ کھاتے ہوئے گلگلے سے پرہیز کرنے سے کچھ بھی مختلف نہیں۔

تفریق دین کے متعلق ایک قرآنی تصریح ۔ فرقہ بندی اور ملّی و قومی اختلافات کے متعلق ایک خاص قرآنی تصریح بھی بڑی قابلِ غور ہے۔ سیدنا موسیٰ جب کوہِ طور پر چلّہ گزارنے تشریف لے گئے تو پیچھے سامری نے بچھڑا تیار کیا اور بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کردی۔ سیدنا ہارون ہزار منع کرتے رہے لیکن وہاں آپ کی کسی نے نہ سنی۔ جب حضرت موسیٰ واپس تشریف لائے تو یہ شرک دیکھ کر ان کا خون کھول گیا۔ حضرت ہارون کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے فرمایا کہ:

مامنعک اذ رأیتھم ضلوا ان لا تتبعن۔

جب تم نے ان کو اس طرح گمراہ ہوتے دیکھا تو میری سخت گیر پالیسی کیوں نہ اختیار کی

سیدنا ہارون نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ فرقہ پرستوں کے لئے زبردست درسِ عبرت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل۔

مجھے یہ خطرہ ہوا کہ آپ کہیں یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفریق پیدا کر دی۔

جناب ہارون کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کی طرح ان سبھوں پر کنٹرول نہیں رکھ سکتا تھا کیونکہ میں فطرۃً ذرا نرم دل واقع ہوا ہوں۔ اس لئے اگر میں ان پر زیادہ دباؤ ڈالتا تو کوئی میری بات مانتا، کوئی نہ مانتا، کوئی کسی خیال کی پیروی کرتا، کوئی کسی خیال کی۔ کوئی کسی کے پیچھے لگتا اور کوئی کسی کے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ بنی اسرائیل مختلف ٹولیوں میں منقسم ہو جاتے اور وحدتِ قومی پارہ پارہ ہو جاتی۔ اس لئے آپ کی واپسی تک میں نے اس معاملے کو ٹال دیا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا؛ ایک پیغمبر جو ایک پیغمبر کا بڑا بھائی بھی ہے ایک قلیل عرصے تک یعنی جنابِ موسیٰ کی واپسی تک کے لئے گوسالہ پرستی جیسے بدترین شرک کو تو گوارا فرما لیتا ہے لیکن یہ گوارا نہیں فرماتا کہ بنی اسرائیل میں گروہ بندیاں ہوں، تفریق پیدا ہو اور پھوٹ پڑ جائے۔ کتنی اعلیٰ سیاست، کیسی دانائی تھی اور وحدتِ ملی کی کتنی زیادہ قدر و قیمت تھی سیدنا ہارون کی نگاہوں میں؛ جس کے اظہار کے بعد جناب موسیٰ نے آپ کا عذر صحیح تسلیم کر لیا اور کوئی تردید نہ فرمائی۔

یہاں ایک اور ضروری بات یہ بھی سُن لینی چاہئے کہ حضرت ہارون نے گوسالہ پرستی میں جو عارضی ڈھیل دی اس کی فقط یہی وجہ نہیں تھی کہ بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ جانے کا اندیشہ تھا بلکہ اس کی ایک اور وجہ بھی تھی جو دوسری جگہ یوں درج ہے کہ:

...... ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی ......

لوگ مجھے کمزور پا کر قتل کرنے لگے تھے

گویا دو وجہیں یکجا ہو گئی تھیں۔ خوفِ تفریق اور اندیشۂ قتل۔ اور خوفِ تفریق بھی حضرت ہارون کی نگاہوں میں ایسا ہی تھا جیسا خطرۂ جان۔ بہرحال اس بیان سے تفریق بین القوم کے لحاظ کی اہمیت کچھ کم نہیں ہو جاتی۔ اور فرقہ بندی کے شرک ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

اے کاش ہمارے فرقہ پرست علماء اور سیاسی ٹولیاں قائم کرنے والے لیڈر ان حقائق پر غور فرمائیں۔

(محمد جعفر)

طابع و ناشر:- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم —— مطبوعہ:- حمایت اسلام پریس لاہور —— مقامِ اشاعت:- ۲- کلب روڈ لاہور